ناول "آگ کا دریا" کی لفظیات کی ثقافتی معنویت اور عصری تطبیق

ڈاکٹر فرحت جبیں ورک، چیئرپرسن، شعبہ اردو زبان وادب، فاطمہ جناح ویمن یونی ورسٹی، راولپنڈی
مفیدہ ماجد، فاطمہ جناح ویمن یونی ورسٹی، راولپنڈی

ABSTRACT:

The 'word' also changes its meaning with the passage of time. In the process, either its meanings disappear or the true meaning hidden in the 'word' finds its real era. In particular, texts that share ancient and modern cultural significance offer important implications for the times to come. The present age is trying to dissolve in sequential order, the current-day texts in the context of the past as well as the present and the future. More specifically the 'words' in the literary texts written in the twentieth century are precursor to the universal realities of the arts and culture of the next century. The indication of historical vocabulary it is possible for the future only when the 'words' are harmonized with the simple meaning.

"Aaag Ka Darya" is such a novel whose simple language, translated in modern-day easily understood expressions, has hidden modern-day meaning for the contemporary reader.

In this article, an attempt has been made to present simple meanings of the words in terms of the real meaning i.e. temporal application of such words.

کلیدی الفاظ: ثقافتی اظہاریہ، جدید عصری تجسیم، نئی معنویت و تعبیر، کثیر الثقافتی تجسیم، تدریجیت کا عمل، عصری معنی

ثقافت وہ وحدت ہے جس سے ایک انسان اپنے علاقے میں رہتے ہوئے خارج سے روحانی سطح پر تعلق قائم کرتا ہے۔ وہ گروہی شناخت میں ذات کو یوں ضم کرتا ہے جیسے قطرے کا سمندر میں انجذابی عمل ہوتا ہے۔ جہاں قطرہ بطور جزاور کل کی بقا کا ضامن قرار پاتا ہے۔ انسان کی وہ تمام سرگرمیاں جو وہ اپنی پرورش وپرداخت کے دوران اپنے آبا سے وراثتی عمل کے طور پر لیتا ہے، انہیں کسی طور اگلی نسلوں کو بعینیہ منتقل نہیں کر پاتا کیونکہ ہر دور کے پیش آمدہ حالات و عصری ضروریات زبان و بیان کے عمل میں بالخصوص اور عادات واطوار کے بالعموم آڑے آتے ہیں۔ یوں ثقافت ایک مسلسل اخذ واکتساب کا عمل ہے۔ اس میں صرف قابلِ غور بات یہ ہے کہ اصل مادے کی روح متاثر ہوئے بغیر جدید طرزِ فکر کا اضافہ ثقافتی رنگا رنگیوں کو زمانے سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ جدید عصری تجسیم میں منتقلی کا عمل

،ثقافت کی کُلی تعریف کااحاطہ کرتاہے۔علوم وفنون،فنونِ لطیفہ،عقائد،روایات،رسومات اور روزمرہ تصرفات کی ذیل میں آنے والی ضروریات ثقافت کی ذیل میں آتی ہیں۔یوں مرورِایام نے ثقافتی اظہاریوں میں جدت وروایت کے امتزاج کو بڑے میکانکی انداز میں اپنایاہے۔

ثقافتی سماجی تغیر ہر لحظہ دُنیامیں جاری ہے۔برصغیر پاک وہند کی بات کی جائے تواس دھرتی کادامن اپنے دھرتی باسیوں کے لئے ہمیشہ دامن کشادہ رکھے ہوئے ہے۔اسی دھرتی نے کثیر الثقافتی نظام کے لئے بھی راہ ہموار کی،جن میں منڈاقبائل،دراوڑ،آریینز،یونانی، سیتھینز،پارتھینز،ترک،افغانی،پرتگالی،ولندیزی اور انگریز شامل ہیں مگراس سب کے باوجود اپنا مخصوص ثقافتی تاثر برقرار رکھا۔عہدِ حاضر میں دُنیا سُکڑ کر جب عالم گیر ڈسکورسز سے استفادہ کررہی ہے تواس دور میں اُردو زبان وادب کے ثقافتی متون کی جدید عصری تعبیر ہونااہم ہے۔

ناول "آگ کادریا" میں قرۃالعین حیدر نے ہندوستان کی ڈھائی ہزار سالہ تاریخ بیان کی ہے جسے چار بڑے ادوار میں تقسیم کیاجاسکتاہے۔ویدوں،اپنشدوں اور موریادور،مسلمانوں کادور،انگریزوں کاعہد اور پھر تقسیمِ ہند۔

سرزمینِ ہندوستان نے بے شمار قوموں کے عادات واطوار،ثقافتی ڈسکورسزاور تہذیبی رویوں کے لئے راہ ہموار کی ہے۔برصغیر پاک وہند کے سیاسی حالات بھلے استعماریت کی زد میں رہے مگراس خطے کی انفرادیت بحوالہ تہذیب وثقافت برقرار رہی۔انسانی حیات ہر لحظہ زندگی کی بدلتی دھوپ چھاؤں کو جھیلتی ہے مگرہندوستانی تہذیب نے ان تمام بدلتی حالتوں کے ذائقے لئے اپنی ثقافتی تجسیم کرتی آئی ہے۔ناول "آگ کادریا" میں گوتم نیلمبر کاتیرتے ہوئے ندی کے کنارے پر موجود پتھر کو گرفت میں لینے کی کوشش کرنا،کٹی انگلیوں کی وجہ سے پتھر کا گرفت میں نہ آنا اور گوتم کاندی میں بہہ جانااوراسی ندی کے کنارے ابوالمنصور کاگھوڑاباندھنا خطے کی موجود تہذیب کی نئی معنویت و تعبیر کاعلامتی بیان ہے۔ثقافتی ورثے کی متغیر کیفیت میں رہنااور اعلیٰ اقدار کی طرف غیر محسوس منتقلی کسی بھی خطے اور قوم کی اقدار کی ترقی یافتہ حالتوں کی ضامن سمجھی جاسکتی ہے۔ماہرین بشریات وسماجیات ثقافت ک ایک کی ہی دائمی روح کے بقاکی حمایت کی بجائے متغیر رویے کو حیات بخش ڈسکورسز کاضامن قرار دیتے ہیں۔ثقافت کوعلوم بشریات و سماج وادب کی زرخیزی سے مشابہ کرنے کے لیے زراعت اور گنجان آبادی کاہونا بھی ثقافت کی زرخیزی اور بارآوری کی وجوہات مانی جاتی ہیں،جب کہ وہ عقلی وآفاقی حقائق پر مبنی ہوں۔یہی وہ دوبنیادی عناصر ہیں کہ جن کی بناپر کسی بھی خطے کی ثقافت نہ صرف اپنی مقامیت کواستحکام بخشتی ہے بلکہ دیگر کثیر الثقافتی نظام کے انجذاب کے بھی روشن امکانات وضع کرتی ہے۔اسی ضمن میں مہاتماگاندھی نے کہاتھاکہ:

"ہندوستان صرف اس لیئے قومی اتحاد سے محروم نہیں ہو سکتا کہ مختلف عقائد کے لوگ اس ملک میں رہتے ہیں۔ ملک میں جذب کرنے کی قابلیت ہو نی چاہئے۔ ہندوستان ایسا ہی ملک ہے۔"(۱)

قرۃ العین حیدر نے ہندوستان کے زرخیز خطے کے اس انجذابی عمل کے جوہر کو ناول "آگ کا دریا" کے بین السطور پیش کیا ہے۔ انجذاب کے اس عمل کی کثیر الثقافتی استعاراتی تجسیم یوں دیکھی جاسکتی ہے۔

"کنارے پر پہنچ کر گوتم نے اپنے کپڑے نچوڑے اور ناتراشیدہ پتھروں سے بنے ہوئے مندر میں گیا جس کے ایک کونے میں وہ اپنا زادِ راہ چنڈی دیوی کو سونپ کر ایودھیا گیا تھا۔"(۲)

اسی خطے میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی اسی کثیر الثقافتی تجسیم کی معنویت اپنی عصری توجیہات قائم کرتی گئی۔ جسے مصنفہ یوں بیان کرتی ہیں کہ :

"ابوالمنصور کمال الدین نے کنارے پر پہنچ کر اپنا شیام کرن گھوڑا برگد کے درخت کے نیچے باندھا اور چاروں اور نظر ڈالی۔ اس کی تھکی ہوئی آنکھوں کو یہ جگہ بہت سہانی معلوم ہوئی۔ سامنے ندی بہہ رہی تھی۔ دور جھونپڑے بنے تھے۔ شوالوں میں سے گھنٹوں کی آواز آرہی تھی۔ برگد کے درخت کے نیچے کسی پیر کا مزار تھا۔ گاؤں کی عورتیں گھونگھٹ کاڑھے آتیں اور مزار پر پھل پھول چڑھا کر آگے چلی جاتیں۔"(۳)

چندر گپت موریا کے دور کا برھما چاری گوتم نیلمبر اور اسلامی دور کا ابوالمنصور کمال الدین دو مختلف تہذیبی و ثقافتی علائم ہیں، ندی اور اس کا کنار ازمانی و مکانی بُعد کا اظہاریہ ہے۔ مندر سے مزار بننے تک کے طویل عصر میں ابتدائی نو آبادیت کا احساس جنم لے چکا تھا۔ عربی صوفیا کے مزاروں کا بننا دراصل دو باہم متصادم تہذیب و ثقافت کے درمیان ایک تطبیق کے احساس کو جنمانے کا پُل تھا۔ جس پر بعد ازاں دونوں تہذیب و ثقافت کے نمائندے نذر نیاز اور چڑھاوے چڑھا کر یکجا ثقافت کی پرورش و پرداخت کرتے رہے۔ یوں یلغار کی صورت اجنبی ثقافتیں مانوس ہوتی چلی گئیں۔ خود کار رویوں پر مبنی نظام کی دلیل ایڈورڈ ڈبلیو سعید یوں پیش کرتے ہیں: "مقامی اور مرکزی مفادات کا کھیل بہت گنجلک مگر کسی لحاظ سے بھی بے اُصول اور بلا شعور نہیں ہوتا"۔(۴) نیا نظام اپنی سیاسی مطالب براری کے لئے مروجہ سماجی نظام کی بساط کو خاصا متاثر کرتا ہے۔ یہی رویہ ہندوستان کی سر

زمین پر دیکھنے کو ملتا ہے جب بڑے غیر محسوس انداز میں دونوں اقوام نے دو مزاجی خاصیتوں کے امتزاج سے نئے بیانیوں کے لئے راہ ہموار کی۔اس تاریخی حقیقت کی تائید،تاریخ دان رومیلا تھاپر سے یوں ملتی ہے

> "ہندوؤں و مسلمانوں کے عقائد میں بھی تال میل کی وجہ سے ایک مشترک رنگ پیدا ہو گیا تھا۔عوام کی اکثریت کی سطح پر اسلام اور ہندومت دونوں مذہبوں کی اصل ساخت سے بہت فاصلے پر چلے گئے تھے اور دونوں کے درمیان تال میل نے ایک نئی مذہبی دھارا پیدا کر دی۔"(۵)

یہی وجہ ہے کہ مذکورہ ناول میں ہند اسلامی ثقافت کی ذیل میں عوام وخواص کے ہاں قبولیت کا رویہ بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ناول کے متن میں ڈھائی ہزار سالہ بدلتی، تہذیبی، ثقافتی اور تمدنی زندگی میں ہند اسلامی اور ہند اسلامی یورپی کلچر کی آمیخت سے اُبھرتا ہندوستانی سماج اور نیا کلامیہ اہم ہے۔کلچر کی بدلتی عصری معنویت کا ایک اقتباس میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

> "اودھ اور مرشد آباد کی ریذیڈنسی میں رہنے والے انگریزوں کے یہاں دولت کی ریل پیل تھی۔شورے اور نیل کے تاجر کروڑ پتی ہو چکے تھے۔نوابوں کی طرح زندگی گزارنا ان کا آدرش تھا۔حرم ،حقہ،شعر وشاعری،ناچ رنگ،مرغ بازی۔۔۔۔یہی مشاغل ان فرنگیوں کے تھے۔۔۔۔بنگال کی جاگیر دارانہ تہذیب میں فرنگی افسر بھی گھل مل چکا تھا۔"(۶)

محولہ بالا اقتباس کی توضیح کے تناظر میں ہند اسلامی انگریزی کلچر کا مشترک ثقافتی رنگ، سماج کے ادب آداب اور روزمرہ گفتگو میں نمایاں طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ناول "آگ کا دریا" کے بین السطور اردو،انگریزی لفظیات اور اُن کی سماجی ثقافتی معنویت اور عصری مطابقت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

> "باغوں میں میلے ہو رہے ہیں۔مرغوں اور بٹیروں اور مینڈھوں اور ہاتھیوں کی لڑائیاں منعقد کی جا رہی ہیں۔انگریز ریذیڈنٹ بادشاہ کے ساتھ بریک فاسٹ کھاتا جاتا ہے اور سامنے ہاتھیوں کی لڑائی دیکھتا ہے۔برآمدے میں انگریزی بینڈ بج رہا ہے،مشاعرے ہو رہے ہیں۔دربار میں یکتائے روزگار رقاص پرکاش جی کتھک ناچ رہا ہے۔"(۷)

ہر سماجی نظام اپنی رقم ہوتی تاریخ کو قطعی حقیقت سمجھتا آیا ہے۔ حالاں سماج کی یکساں زندگی کا خاتمہ انسانی ترقی کے عمل میں رکاوٹ نہیں بلکہ تعمیرِ نو کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ انسانی زندگی ہر نئے منظر میں اخلاق، ثقافت اور معیشت کی نئی طرزیں متعارف کرواتی ہے۔ انسانی حیات کا ہر لمحہ اپنے موجود میں جدید اور خاتمے پر قدیم ہوتا ہے۔ بیسویں صدی اپنے جلو میں پیداواری قوتیں، سائنس اور ٹیکنالوجی کی ہنگامہ خیزیاں سمیٹے نووارد ہوئی تو قدیم یک طرفہ تصورِ تہذیب و ثقافت بھی مانند پتنے لگا، جسے اکیسویں صدی میں عالم گیر تصورِ ثقافت نے قدرے غیر اہم بنانا شروع کر دیا ہے عہدِ حاضر قدیم ڈسکورسز کی نئی تفہیم و تعبیر کا متقاضی ہے تو وہیں بیسویں صدی کے اُن متون کی اُس تعبیر و معنویت کی ضرورت ہے جسے مستقبل کا علامیہ کہا جا سکتا ہے۔ "آگ کا دریا" ایسا ہی متن ہے کہ جس میں ہندو تہذیب کا کتھک، انگریزی تہذیب کا بینڈ اور ہند اسلامی تہذیب کا مشاعرہ نئے کثیر الثقافتی سماج کا قدرے مختلف تناسب پیش کرتا ہے۔ انگریزوں کی آمد کے بعد ہند اسلامی انگریزی کلچر، ثقافت کے نئے رنگوں اور استعماریت کے نئے دائروں سے متعارف کرواتا ہے۔ قرۃ العین حیدر نے ڈھائی ہزار سال کی تہذیبی تاریخ کو اس انداز میں احاطہء تحریر میں لایا ہے کہ تین مخالف نظام ہائے حیات، ثقافتی پیرائیہ اظہار غیر معمولی عدم مماثلت کے باوجود ان گنت افراد کے اشتراک سے سیاسی و معاشی نظام چلانے پر قادر ہوئے۔ ناول کی لفظیات، مقامی مغلوب ثقافت اور استعماری (غالب) ثقافت سے اثر قبول کرتی اور مقامی رنگ، غالب کلچر پر اپنا اثر قائم کرتا ہوا دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ وہ جدید افسانوی نثر ہے کہ جس کی جدید عصری تعبیر کی جائے تو صرف ہندوستان کی پچیس سو سالہ سیاسی، سماجی و معاشی تاریخ سے ہی واقفیت نہیں ہوتی بلکہ نو تاریخی لکھت کا شعور بھی ملتا ہے۔ مثلاً

> "سروپ نکھا کی ناک کٹی۔ راون جلا۔ بھرت ملاپ ہوا۔ دبلے پتلے لڑکے منہ پر سیروں غازہ اور سفیدہ پوتے، پنی کے نقلی تاج پہنے، رام اور لچھمن بنے بڑی تمکنت کے ساتھ تخت رواں پر سوار ہوئے۔ انسانوں کو ان میں خدا کا جلوہ نظر آیا۔۔۔ پھر کوار کے مہینے میں اماوس کی کالی راتوں کو دیپ مالیکا نے روشن کر دیا۔ چھوٹی اور بڑی دیوالی منائی گئی۔ گھر گھر لکشمی کی تقدیس کی گئی۔۔۔ جگہ جگہ چوراہوں اور گلیوں میں جوا ہوا۔ رام اوتار اور قدیر جوا کھیلنے گئے۔۔۔ پھر بھیا دوج کا تہوار آیا۔ ہری شنکر قالین پر چڑھایا بیٹھا تھا اور نرملا اس کے ماتھے پر تلک لگا کر اس کے سامنے مٹھائی پروس رہی تھی۔۔۔ پھر اگہن اور پوس کے پالے نے درختوں پر چاندی کے پتر چڑھا دیے۔ گاؤں میں نوٹنکیوں کے گیت گونجے

۔چوپالوں میں مہابھارت کے قصے دہرائے گئے۔سفید ٹنگی ساریاں پہنے عیسائی عورتیں گاتی پھریں:اوہو مسیح آیا سرآسمان۔۔۔۔سرآسمان۔۔۔۔کھچڑی کا تہوار آیا تو لوگ ماگھ میلا نہانے تربینی چلے۔بسنت پنچمی میں گھر گھر سرسوتی پوجا کی گئی۔۔۔۔کمہاروں کے ہاتھ سے بنائی ہوئی مٹی کی مورت میں بھی انہیں خدا کا جلوہ نظر آیا۔پھر پھاگن کی رت آئی۔شوراتری کی تیاریاں کی گئیں۔۔۔۔محرم کا ہنگامہ ہوا۔گھر گھر گھاس اور موم اور کاغذ کے تعزیے تیار کیے گئے۔۔۔۔ان کاغذ اور پنی اور ریشم کے گہواروں،تابوتوں اور تعزیوں میں بھی انہیں خدا کا جلوہ نظر آیا۔امام باڑوں میں چراغاں ہوا۔گلی کوچوں سے پیلو اور سوہنی اور درگا میں نوحہ خوانی کی آوازیں بلند ہوئیں۔ساری فضا نے غم کا لبادہ اوڑھ لیا۔ہر شخص حسینؑ کا سوگوار بنا۔۔۔۔مارچ کے مہینے میں ساری فضا گلال اور عبیر سے سرخ ہو گئی۔کرشنا کی مورتی کو جھولوں میں بٹھالایا گیا۔صبح صبح بون فائر میں راکھشی ہولکا جلی۔ہلیارے سڑکوں پر کبیر گاتے پھرے۔"(۸)

عالم گیر معاشی منڈی نے انسانی معاشرے اور معیشت کے لامحدود پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے سماجوں کے سائنسی مطالعے پر زور دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہیری سپیرو ثقافتی روح کی مسلسل زرخیزی کے ضمن میں ثقافت کے تسلسل کو سماجی و سائنٹفک عمل ہونے پر دال کرتا ہے کیونکہ

"ثقافت اپنے تمام اثاثے کو سمیٹ کر آگے بڑھتی اور ترقی کرتی ہے۔ہر دریافت یا ایجاد ثقافتی ذخیرے کی مجموعی مقدار میں شامل ہو جاتی ہے،اور نئی دریافتوں کے لیے راستہ ہموار کرتی ہے۔یہ نئی دریافتیں اپنی باری پر دریافت کے دائرے کو مزید وسعت دیتی ہیں،اور ہر سمت میں نئی ترقیوں کی رفتار کی تیزی کو بڑھاتی ہیں۔"(۹)

ہیری سپیرو کی اس بات کی تصدیق ناول "آگ کا دریا" سے بھی ہوتی ہے کہ نئی دریافتیں اور بازیافتیں ثقافت کو نہ صرف شکست وریخت سے دوچار کرتی ہیں بلکہ نظریہء انتشار کے تحت بہت سے نئے سوالات کو بھی جنم دینے کا باعث بنتی ہیں۔یوں کہا جاسکتا ہے کہ مغلوب وغالب ثقافت کا تصور متناہی ولامتناہی کا اتحاد بنتا آیا ہے۔

قرۃالعین حیدر کا ناول "آگ کا دریا" موضوعی و معروضی،ہر دو حوالے سے کئی نئی جہات سامنے لاتا ہے اور

اس کی تہذیبی اور ثقافتی لفظیات لامحدود مظاہر کی معنویت اُجاگر کرتی ہیں۔ ناول کا کینوس چونکہ ڈھائی ہزار سال کو محیط ہے اس لیے موجودہ عہد میں اپنے بین السطور حقیقی دُنیا کا متحرک، متضاد وجدلیاتی کردار وضع کرتا ہے، مثلاً ہولی کے تہوار سے لے کر موجودہ دور کا بون فائر ایک ایسے ثقافتی، سماجی و معاشی تسلسل کا پتا دیتا ہے۔ کسی بھی خطے کا ثقافتی مزاج ، ریاضیاتی عمل کے مصداق تقسیم در تقسیم یا مسلسل اضافہ سے اپنا دامن وسیع کرتا ہے۔

حملہ آور در حقیقت معاشی وسیاسی مفادات کی خاطر دو زبانوں کا ہی تبادلہ نہیں کرتے بلکہ دو تہذیبیں باہم تصادم کے عمل سے بھی دوچار ہوتی ہیں۔ دو زبانوں کے متقاضات یہ ثابت کرتے ہیں کہ کثیر المقدار فن پاروں میں جدید و قدیم کا فرق ختم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہر نیا فن پارہ، ابتدائی ڈسکورسز سے میل ہا میل آگے کا زمانہ طے کر چکے ہوتے ہیں مگر بعض متون (ادبِ عالیہ) کی پڑھت کو ہر دور کے لئے جدید بنانے میں جدید زبان میں منتقلی اہم کردار ادا کرتی ہے۔

بیسویں صدی نے برصغیر پاک وہند میں "خالصتاً فکری عمل" اور "خالص ثقافت" کے تصور کو پاش پاش کر دیا۔ موجودہ صدی تدریجیت (Gradualism) کے عمل کی صداقت کی صدی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ثقافتی اظہاریے بھی مرحلہ واریت کے تحت مائل بہ انقلاب رہتے ہیں۔ ناول آگ کا دریا کی یہی خاصیت ہے کہ اس میں کثیر الثقافتی سماج کا تصور یک لخت بیدار نہیں ہوتا بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ نمودار ہونے والی تبدیلیاں اور انقلابی تغیرات نے جدید رہتل اور بدلتی ہوئی ثقافتی، لسانی، سماجی اور مذہبی ڈسکورسز کو لوکیل اور کلچر سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ ایک سماجی تطبیق کا حامل فن پارہ، اپنی سماجی تعبیر پانے کے بعد ہر عصر میں جدید کہلا سکتا ہے۔ عصرِ حاضر میں ناول کی جدید تعبیر بھاری بھرکم الفاظ کی بناپر کرنے سے قاصر معلوم ہوتی ہے۔ متن میں تدریجیت کا عمل بین السطور عصری تعبیر کی جستجو کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اقتباس

"ارے راجہ کا مکنوا اتنا چھوٹا۔۔۔؟ راجہ کے محلوا پر تو ہل چل گئیں۔
ای تو ہجارن برس پرانی حویلی ہوئے۔۔۔ پرکھن سے سنے ہن
ای ما کو وٗ باہمن پر وہت رہت رہے۔ ان کا لڑکوا ہو بڑا اودوان رہا۔۔۔"
"اس لڑکے کا نام جانتے ہو۔۔۔؟"
"ہم کا جانی۔۔۔ ہم پنچ نام ناہیں یاد رکھت ہن۔ نام مٹ جات ہیں۔۔۔
کھالی کھدائے کا نام امر ہو۔۔۔" (۱۰)

ترجمہ:

"ارے راجا کا مکان اتنا چھوٹا۔۔۔۔راجا کے محل پر تو ہل چل گئے۔ یہ تو ہزاروں برس پرانی حویلی ہے۔۔۔۔پرکھوں سے سنتے آرہے ہیں کہ اس میں کوئی برہمن پروہت رہا کرتے تھے۔ان کا لڑکا بہت بڑا عالم رہا ہے۔۔۔۔ "

"اس لڑکے کا نام جانتے ہو۔۔۔۔؟"

"ہم کیا جانیں ۔۔۔۔ ہم عام لوگوں کے نام یاد نہیں رکھتے ۔نام مٹ جاتا ہے۔۔۔۔صرف خدا کا نام امر ہے۔۔۔۔"

اقتباس

"ہیرا جنم امول تھا۔ کوڑی بدلی جائے۔۔۔۔

سانس نقارہ کوچ کا، سانس نقارہ کوچ کا۔ باجت ہے دن رین۔۔۔۔"(۱۱)

ترجمہ

خالق کائنات لافانی ہے جبکہ انسان فانی۔ وہی ہمیشہ رہنے والی ذات ہے۔

انسان تو آنی جانی شے ہے اور سانس درحقیقت

وہ نقارہ ہے جو دن رات بج کر انسان کو اس کی حقیقت بتاتا ہے۔

اقتباس

"بھیا، لگت ہے تم بہوت دور سے آئے رہے ہو۔ تمرے پیرن ماماٹی کتنی لاگی ہے۔"

''ہاں۔''اس نے جواب دیا۔''میں نے بہت لمبا سفر طے کیا ہے۔''

''آؤ بیٹھو ستو کھاؤ۔''آہیر نے کہا اور اسے ایک سائبان میں لے گیا۔

''کپڑوں سے تو بڑے دھنوان دکھلائی پڑت ہو۔ پریشان کیوں ہو۔

سلطان کے منئی ہو؟''(۱۲)

ترجمہ

"بھیا لگتا ہے تم بہت دور سے آرہے ہو۔ تمھارے پیروں میں مٹی کتنی لگی ہے؟"

"ہاں"اس نے جواب دیا۔"میں نے بہت لمبا سفر طے کیا ہے۔"

"آؤ بیٹھو ستو کھاؤ۔"آہیر نے کہا اور اسے سائبان میں لے گیا۔

"کپڑوں سے تو صاحبِ حیثیت دکھائی دیتے ہو"۔اتنی عجلت اور پریشانی
میں کیوں ہو۔سلطان کے آدمی ہو؟"

اقتباس

" پاپڑ سکھائے خاطر تنکو گھام او نہیں ملت ہے۔"قمرن نے بات شروع کی۔۔۔۔
بٹیا آپ لوگ منئ کی طبیعت نہیں جانت ہیں۔ہم پنچ تو ای جانت ہن کی منئ
جئے خوش رہت ہے جب برابر او کی ٹہل کئے جاؤ،او کے لیے اپنی زندگی تج ڈالو۔
ویسے ای لوگ کبے خوش ناہیں ہوت ہیں۔ہم تہمانہ بٹیا کو کیسے سمجھائی کہ لڑکین کی
اوکات پہچانے کا چاہی،وہ بھیا صاحب سے بگڑ گئی رہن،وہ ان سے ایک ٹھو بات کیے
بغیر ہی پاکستان چلے گئے۔اب بٹیا روت ہیں۔۔۔۔لڑکی کی کا اوکات ہے۔۔۔۔
مہرارو بن جائے تب بھی منئ کی نوکر۔مہتاری بن جائے تب بھی اور جب بڑھوتی کے
جمانے میں بہو بیاہ کر لائے او کی دھونس الگ سہے۔۔۔کا آپ ہو بلایت جارہی ہیں؟
۔۔۔۔بٹیا۔مل اگر چاہت ہیں جی کا چین ان کا چھوڑ کر بھی نہ ملیے۔۔۔۔سب منئ ایک
سے تھوڑا ہو وت ہیں دریبر کی بی بی۔۔۔۔سب منئ ایک ہو وت
ہیں بٹیا۔۔۔۔قمرن نے کہا۔پان بنائی؟
نہیں قمرن رہنے دیو۔۔۔۔اب ہم ہو چلیا۔
۔۔۔۔ای بٹیا ون بات کا ہے نہیں سمجھ پاوت ہیں۔۔۔۔بٹیا ون میں ہمت نہیں۔ڈرت
ہیں۔ سمجھت ہیں تھوڑا سا انگریجی پڑھ لی ہین تو دنیا جان گئیں۔۔۔۔"(۱۳)

ترجمہ

"پاپڑ سکھانے کے لیے ذرا سی دھوپ بھی نہیں ملتی۔"قمرن نے بات شروع کی۔۔۔۔بیٹی آپ لوگ مردوں کی طبیعت سے واقف نہیں۔ہم کم درجہ تو بس اتنا جانتی ہیں کہ مرد صرف اسی صورت میں خوش رہتا ہے جب عورت مسلسل اس کی خدمت کرے،اس کی خاطر اپنی ہر خوشی ترک کر دے۔ویسے یہ لوگ کبھی خوش نہیں ہوتے۔میں تہمینہ بیٹی کو کیسے سمجھاؤں کہ لڑکیوں کو اپنی اوقات کا پتہ ہونا چاہیے،وہ ہیں کہ بھیا صاحب سے خفا رہتی ہیں،اور وہ ان سے کوئی بات کیے بغیر ہی پاکستان چلے گئے۔اب تہمینہ بیٹی روتی ہیں۔۔۔۔لڑکی کی کیا اوقات ہے۔۔۔۔بیوی بن جائے تب بھی خاوند کی نوکر۔ماں بن جائے تب بھی اور بڑھاپے میں جب بہو بیاہ کر لائے اس

کید ھونس الگ برداشت کرے۔۔۔ کیاآپ ولایت جارہی ہیں؟''

۔۔۔۔بیٹی اگرآپ دلی سکون چاہتی ہیں توان سے کبھی نہ ملیے گا۔ ''

"بھیاصاحب نہ سہی کوئی اور سہی۔سب مرد تھوڑاہی ایک سے ہوتے ہیں ڈرائیور کی بیوی۔"

۔۔۔۔سب مرد ایک سے ہوتے ہیں بیٹی۔۔۔۔

قمرن نے کہا۔پان بناؤں؟

نہیں قمرن رہنے دو۔۔۔۔اب میں چلوں گی۔۔۔۔

۔۔۔۔یہ بٹیاپتہ نہیں بات کیوں نہیں سمجھتی ہیں۔۔۔۔بٹیامیں ہمت نہیں۔ڈرتی ہیں۔ان کاخیال ہے کہ تھوڑی سی انگریزی پڑھ لینے سے زمانہ شناس ہوگئی ہیں۔۔۔۔

محولہ بالااقتباسات میں آسان مطالب،جدید عصری تقاضاہے مگر عصری تعبیر کے جتن نے اصل عبارت کا حُسن اوراصل متن کی عبارت کی وجدانی حسیت کو کم کردیاہے،اس آسانی کے عمل نے رہتل کے خودرو عمل وردِ عمل کو ثقافتی تفہیم سے کوسوں دور کردیاہے۔

دراصل ناول "آگ کادریا" میں برتی گئی ثقافت نگاری،زیرک اور متجسس قاری کو میکانکی انداز میں اپنے طلسم میں جکڑے رکھتی ہے۔ناول عہد بہ عہد اپنی رہتل سے جڑے حقائق کی ثقافتی لفظیات کے پسِ منظر میں کرداروں اور مقامی زمین سے جڑت کااحساس دلاتاہے۔کسی خطے کی آب وہوا،مناظرِ فطرت اوروہاں کے باسیوں کا ذریعہ معاش،سب کی آمیزش سے معاشرے کی اقدار کی ترجمانی ہوتی ہے۔اسی سماجی اور معاشرتی فضامیں پیدائش سے لے کر مرنے تک کے رسم ورواج، تہوار،عقیدے اور فنون جنم لیتے ہیں۔ناول "آگ کادریا" ڈھائی ہزار سالہ زمانی تسلسل میں ثقافتی تجسیم کاپیش خیمہ ہے۔ناول کے متن سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں :

"باہر سبزہ زاروں میں کسانوں کے بیلوں کی گھنٹیاں بج رہی تھیں اور چرواہوں کی بانسریوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ شکاریوں کے بالوں میں سجے ہوئے پر ہوامیں لہراتے تھے۔ندی کے اس پار کشتری امیر زادے اپنے باغوں میں تیر اندازی سیکھنے میں مصروف تھے۔۔۔۔کھیتوں کے اس پارالاؤروشن کیے جارہے تھے۔

بہت دور گاؤں کے سرے پر چوپال میں محفل جمی تھی۔بھاٹ جنگِ عظیم کی داستان سنارہاتھا۔شام کے مکمل سناٹے میں ہواکے جھونکے کے ساتھ۔اس کی پاٹدار آواز کی لہر تیرتی ہوئی گومتم کی کٹی سے آٹکرائی۔۔۔۔کبھی کبھی مجمع تحسین و توصیف کے نعرے بلند کرتا۔۔۔۔مرد نگ زور زور سے بجائی جارہی تھی۔"(۱۴)

محولہ بالااقتباس کی مجموعی فضامیں سرسبز وشاداب ہندوستان کی منظر کشی اس طرح کی گئی ہے کہ رہتل کے

ساتھ ثقافتی رنگارنگی کی مکمل تصویری آمیزش ملتی ہے۔ایک منظر مختلف طبقات کی معاشی ثقافت کا تصور اُجاگر کرتا ہے۔ مثلاً

(۱) کسانوں کے بیلوں کی گھنٹیاں

اس زرعی ہندوستان کی تصویر کشی کرتی ہیں جہاں بیلوں کی جوڑی ہر کسان کی بنیادی ضرورت تھی۔کسان اپنے اپنے کھیتوں میں ہل چلا رہے تھے اور ان کے بیلوں کے گلے میں بندھی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔یہ خاص ہند کی علامت ہے جو اپنے پالتو جانوروں سے محبت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جانوروں کے گلے میں بندھی گھنٹیوں کا ایک افادی فائدہ یہ بھی تھا کہ وہ بیل کی موجودگی کا پتا دیتی تھیں۔ہند کے باسیوں کا سُر اور ساز سے گہرا تعلق رہا ہے۔ہل چلاتے بیلوں کی ردہم میں بجتی گھنٹیاں مشقت میں مصروف کسانوں کے لیے سکون کا باعث ہوتی تھیں۔

(۲) چرواہوں کی بانسریوں کی آوازیں

چرواہے لوگوں کے مال مویشی لے کر گاؤں سے دور چراگاہوں میں سارا دن گزارتے تھے۔عموماً دل بہلانے اور وقت گزارنے کے لیے بانسری بجاتے تھے۔

(۳) شکاریوں کے بالوں میں سجے ہوئے پر

پرندوں کا شکار کرنے والے شکاریوں کا اپنا ایک خاص انداز ہوتا ہے۔وہ زندہ پرندوں کو اپنے دام میں پھنسانے کے لیے نہ صرف پرندوں کی آوازیں نکالتے ہیں بلکہ اپنے خاص انداز میں سروں پر پرندوں کے پر لگا کر خود کو کیموفلیج کیے پرندوں کا انتظار کرتے ہیں۔

(۴) کھشتری امیر زادے اپنے باغوں میں تیراندازی سیکھنے میں مصروف تھے

کھشتری جو اہل ہنود کی چار ذاتوں میں سے ایک ہیں ان کا کام ملک کے دفاع کے لیے جنگ میں مہارت حاصل کرنا ہے۔ برہمنوں کے بعد عزت کی نگاہ سے دیکھی جانے والی ذات کھشتریوں کی ہے۔ہنود کے عقیدے کے مطابق برہمنوں کی پیدائش پرماتما کے سر سے جبکہ کھشتریوں کی پیدائش بازوؤں سے ہوئی ہے۔ ہنود کا ماننا ہے کہ برہمن پرماتما کے منہ سے، کھشتری بازوؤں سے، ویش رانوں سے اور شودر پاؤں سے پیدا ہوئے۔اس دنیا کی حفاظت کے لیے اس نے ان میں سے ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ فرائض ہیں۔ برہمنوں کا کام ہے وید کی تعلیم دیں، کھشتری خلقت کی حفاظت کرے، ویش مویشیوں کی سیوا، تجارت اور زراعت کرے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ بیج بونے کے طریقے سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ اچھی بری زمین کی پہچان، اوزان اور پیمانوں سے کما حقہ واقفیت رکھتا ہو۔شودر کا فرض ہے کہ وہ برہمن، کھشتری اور ویش کی خدمت کرے۔

(۵) چوپال میں محفل جمی تھی

چوپال، ہندوستانی تہذیب کا دل اور ثقافت کا مرکز تصور کی جاتی تھی۔ تمام فیصلے یہیں کیے جاتے تھے اس منظر میں شام کا وقت ہے، دیہاتی اکٹھے ہو چکے ہیں، بھاٹ جو کہ قصہ گو ہے، "مہابھارت" ہنود کی مذہبی داستان سنا رہا ہے۔ جس میں مذہبی واقعے کو زندہ رکھنے کے ساتھ ساتھ تبلیغ بھی کی جارہی ہے۔ بھاٹ ہند کی ثقافت میں اہم ترین حیثیت رکھتے تھے۔

(۶) گوتم کی کٹی

کٹی، کا ذکر گوتم کے حوالے سے آیا ہے جو ایک برہمن طالب علم ہے۔ اس دور کے طالب علم انتہائی سادہ زندگی گزارتے تھے۔ وہ تمام دنیاوی آسائشوں سے دور رہتے تھے۔ کٹی انتہائی کم درجے کی، گھاس پھونس سے بنی رہائش گاہ تھی جس میں طالب علموں کو رہنا پڑتا تھا۔

(۷) مردنگ زور زور سے بجائی جارہی تھی

مردنگ، ایک خاص قسم کی طبلہ نما ڈھولک ہے۔ جس کے بارے میں فرہنگ پیشہ وراں میں لکھا ہے: "(مذکر) پکھاوج کی قسم کا مگر اس سے زیادہ لمبا اور پتلا قدیم وضع کا ڈھول کی قسم کا باجا برہما دیوتا سے منسوب کیا جاتا ہے۔" (۱۵) جسے بجانے والے کو مردنگی کہتے ہیں سودا کا شعر اس حوالے سے اہم ہے:

؎ یاں تلک شیخ و برہمن ہیں طرب میں مصروف
دیر میں بجتی ہے مردنگ حرم میں ڈھولک

سودا کے اس شعر میں مردنگ کی ہندو ثقافت سے وابستگی ظاہر ہوتی ہے۔ یہی ثقافتی پہلو قرۃ العین حیدر کے ہاں بھی موجود ہے۔

اس ایک اقتباس میں قرۃ العین حیدر نے جہاں ہندو معاشرے کے مختلف افراد اور پیشوں کا تذکرہ کیا ہے۔ وہاں تین اہم طبقوں کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ برہمن تعلیم حاصل کر رہا ہے، کھشتری جنگ کے لیے تیر اندازی میں منہمک ہیں جبکہ ویش جس کا کام کھیتی باڑی اور تجارت ہے، کھیتوں میں مصروف ہے۔

"عظیم گنگا بہت دور سے بہتی ہوئی آرہی تھی۔۔۔۔ کشتی گنگا کے ساحل پر آگے بڑھتی رہی مسافروں سے بھری ہوئی کشتی میں بڑی چہل پہل تھی۔ بھاگل پور کے قریب ایک گاؤں سے براتی دلھن کا سرخ ڈولا لے کر کشتی میں سوار ہوئے۔ دولہا نے زرد جوڑا پہن رکھا تھا۔ دلہن لمبا سا گھونگھٹ کاڑھے تھی۔ اس کے پیروں میں چاندی کے

بچھوے تھے اور اس کے مہندی سے رچے ہاتھوں میں چوڑیاں اور ہاتھی دانت کے کڑے کھن کھن بولتے تھے اور وہ چہکو پہکو رو رہی تھی۔"(۱۶)

قرۃ العین حیدر نے ہند تہذیب کے مشترک ثقافتی ورثے کے عقیدت رنگوں کو بھی اس ناول میں مکانی و زمانی حقائق کے طور پر سمویا ہے۔ دراصل ناول میں کارفرما لفظوں کی تخلیقیت کے نظریہ حقیقت کو ایک ایسے ہی ثقافتی ورثہ کی اصل معنویت کے لئے قوتِ متحرکہ (Power of Lemaitre) سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت تھی۔ چند امثال سے اس کی زمانوی تعبیر وضع ہوتی ہے۔

(۱) گنگا

بھارت کا ایک مشہور دریا ہے جو سلسلہ کوہ ہمالیہ کے گنگوتری نامی پہاڑ سے نکل کر مختلف علاقوں سے ہوتا ہوا خلیج بنگال میں گرتا ہے۔ ہنود اسے مقدس مانتے ہیں اور اس میں نہانا باعثِ ثواب سمجھتے ہیں۔ مردوں کی ہڈیاں اور راکھ اس میں بہانا ذریعۂ نجات ہے۔

(۲) براتی

شادی کے جلوس میں شرکت کرنے والے وہ مہمان جو دلھا کی طرف سے دلھن کو لینے جاتے ہیں براتی کہلاتے ہیں۔ نور اللغات کے مطابق: "جو دلہا کی طرف سے بارات میں شریک ہو۔"(۱۷)

(۳) سرخ ڈولا

سرخ رنگ ہندوستان کی ثقافت میں دلھن کے لیے مخصوص ہے۔ ہندوستان میں دلھن کو ڈولی میں رخصت کیا جاتا تھا۔ ڈولی ایک مخصوص قسم کی پالکی ہے جس کے اوپر سرخ رنگ کی چادر لپٹی ہوتی ہے۔ آج بھی پاکستان کے بعض علاقوں میں دلھن ڈولی میں رخصت ہوتی ہے۔ سرخ اور زرد رنگ کا تعلق ہندوستان میں خوشی کے رنگوں کی علامت ہیں، کیونکہ بہار کا آغاز زرد رنگ کے پھولوں سے ہوتا ہے اور بہار کا جوبن سرخ رنگ کی صورت جلوہ گر ہوتا ہے۔ خوشی کے موقعوں پر یہ رنگ خوش بختی کا شگون ہیں۔ قدیم ہندوستان میں دلھن کے لیے پیلا جوڑا مہندی اور سرخ جوڑا بارات کے دن کے لیے مخصوص تھا۔ دلھا کے لیے بعض علاقوں میں بارات کے جوڑے کے لیے زرد رنگ مخصوص تھا اسی نسبت سے کشتی میں بیٹھے دلھا نے زرد جوڑا پہن رکھا تھا۔

(۴) گھونگھٹ کاڑھنا

دلھن کا دوپٹا ایک مخصوص انداز سے اس کے چہرے پر گرا دیا جاتا ہے، جسے گھونگھٹ کاڑھنا یا گھونگھٹ نکالنا کہا جاتا ہے۔ دلھن کے ساتھ وابستہ شرم و حیا کا اس سے گہرا تعلق ہے۔ ہندوستانی سماج میں شادی کے بعد لڑکیاں

اپنے تمام سسرالی مردوں سے پردہ کرتی تھیں، چونکہ مشترکہ خاندانی نظام ہندوستانی ثقافت کا حصہ ہے اس لیے گھر کی بہوئیں عموماً مردوں کی موجودگی میں گھونگھٹ کاڑھے رکھتی تھیں۔اس کے علاوہ گھر سے باہر بھی شادی شدہ عورتوں کا گھونگھٹ منہ پر گرا رہتا تھا۔

(۵) چاندی کے بچھوے

چاندی قیمتی دھاتوں میں سے ایک دھات ہے جو زیور بنانے کے کام آتی ہے۔قدیم ہندوستان کے مرد اور عورتیں زیورات پہننے کے شوقین تھے لیکن بعض زیورات صرف عورتوں کے لیے مخصوص ہیں۔ جیسے ناک اور پاؤں میں پہننے کے زیورات۔ بچھوے ایک زیور ہے جسے عورتیں پاؤں میں پہنتی ہیں۔

(۶) مہندی

ایک ہندوستانی پودا جس کے پتوں کو پیس کر ایک سفوف بنایا جاتا ہے جسے مہندی کہتے ہیں۔یہ سفوف پانی میں گوندھ کر دلھن کے ہاتھوں اور پیروں پر لگایا جاتا ہے جس سے ہاتھوں پیروں میں سرخ رنگ چڑھتا ہے۔ہندوستانی کلچر میں مہندی اور چوڑیاں عورت کے سہاگن ہونے کی علامتیں ہیں۔ مہندی کے رنگ کے بغیر شادی کا تصور ہی نہیں ہے،اسی لیے مہندی رچنا سے مراد شادی ہونا لیا جاتا ہے۔

(۷) چوڑیاں

ہاتھوں میں پہننے کا زیور ہے، جو کانچ، سونے، چاندی اور دیگر دھاتوں سے بنی ہوتی ہیں۔ہندوستان کے انتہائی قدیم آثار سے مٹی کی بنی چوڑیاں بھی دریافت ہوئی ہیں جن سے اس زیور کی قدامت کا پتا چلتا ہے۔بیوہ ہونے والی عورت کی کلائیوں کی چوڑیاں توڑنا ہندوؤں کی رسم ہے۔ہندوستانی ثقافتی دانش میں چوڑیوں کی بابت بہت سی کہاوتیں مشہور ہیں۔ مثلاً ہم نے کوئی چوڑیاں نہیں پہن رکھیں۔اسی طرح بزدل مردوں کو بزدلی کا طعنہ "چوڑیاں پہن لو" دیا جاتا ہے۔

(۸) ہاتھی دانت کے کڑے

ہاتھی قدیم ہندوستانی ثقافت میں خوشحالی اور طاقت کی سب سے بڑی علامت تصور کیے جاتے تھے۔اس کے متعلق بہت سے محاورے مشہور ہیں مثلاً "زندہ ہاتھی لاکھ کا مردہ سوا لاکھ کا" ہاتھی دانت کے کنگن بھی امارت کو ظاہر کرتے ہیں۔

"۔۔۔شام اودھ اپنی پوری آب وتاب سے بزم آراء ہوئی۔سارے شہر کو رنگا رنگ کی خوشبوؤں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ چھڑکاؤ کی ہوئی مٹی کی سوندھی خوشبو، گندھیوں کی دکانوں کی مہک، قنوج کے بیلے اور جون پور کے گلابوں کی

خوشبو، مندروں سے اٹھتے ہوئے عود کی لپٹ۔ بادشاہ کے محل میں بہتی ہوئی عطر کی نہر کی خوشبو، پھر گلی کوچوں کی کھڑکیاں اور دروازے کھلے، لوگ گلیوں اور سڑکوں پر آگئے۔ انہوں نے باغوں کا رخ کیا۔ گلی کوچوں میں سے نغمے کی آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں۔ خوش شکل اور خوش لباس کنجڑنیں، تیز و طرار تنبولنیں، حسین اور حاضر جواب بھٹیارنیں، ساون اور لاونیاں گاتی پھر رہی تھیں۔ گلی کے لڑکے بیت بازی کرتے جاتے تھے۔ اور گولیاں کھیلتے تھے۔ غریبوں اور امیروں کے مکانوں سے ستار اور جلترنگ اور طنبورے کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ ندی کنارے بیٹھے ہوئے جوگی ترئی بجاتے تھے۔ نئی بیاہی لڑکیاں اپنے اپنے گھروں میں بیٹھیں سڑک کی اور دیکھتی تھیں کہ ساون منانے کے لیے ان کا بھائی میکے سے ڈولی کب بھیجے گا۔"(۱۸)

ناول کے بین السطور قرۃ العین حیدر نے ہند اسلامی تہذیب کے مشترک ثقافتی ورثے کے مختلف رنگ اس طور پیش کیے ہیں کہ موسمی اداؤں سے موسوم تہوار قدیم ہند کی ثقافت کا حصہ رہے ہیں۔ ہندوستان کے ہر موسم اور ہر دیسی مہینے کی آمد کے ساتھ بندھے تصورات سے مقامی آبادی کی اثباتیت پسندی کے کلچر کا بھی ادراک ہوتا ہے۔ مثلاً بیساکھی، بسنت، ساون وغیرہ۔ درج بالا اقتباس میں ساون کے تہوار کا ذکر ہے۔ جس میں اودھ شہر کو سجایا اور مہکایا جا چکا ہے، مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والی عورتیں دن بھر کی مصروفیات سے فراغت پا کر گلیوں، بازاروں، سڑکوں اور باغوں میں چلتی پھرتی دکھائی دے رہی ہیں۔ آگ کا دریا کے بین السطور چند مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں

(۱) عود

ایک قسم کی سیاہ لکڑی جو آگ میں جل کر نہایت عمدہ خوشبو دیتی ہے۔ بہترین عود کی نشانی یہ ہے کہ وہ پانی میں ڈوب جاتی ہے۔ اسی لیے اسے عود غرقی بھی کہتے ہیں۔ فرہنگ آصفیہ کے مطابق: "ہندی میں اسے اگر کہتے ہیں۔" (۱۹)

(۲) عطر

خوشبو، سگند، پھلیل کسی چیز کی نکالی ہوئی خوشبو۔

(۳) جوگی

فرہنگ آصفیہ کے مطابق: "دھانی۔ سنت۔ سنیاسی۔ عابد۔ زاہد۔ بیراگی۔ منی۔ رشی۔"(۲۰)

ایسے فقیر جو دنیا تج دیں جوگی کہلاتے ہیں۔ تقریباً تمام قدیم مذاہب میں دنیا تج دینے کی ایک روایت دکھائی دیتی ہے۔ ہندوستان آمد کے بعد ہند کے مسلمانوں میں بھی ایسے فرقے وجود میں آئے جنھوں نے جوگ اختیار کر کے ویرانوں کا رخ اختیار کیا۔

(۴)شام اودھ

اودھ کے شہر کی شام مشہور ہے۔اس چوک میں طوائفوں کے کوٹھے تھے اور شام پڑے ہی یہاں شوقینوں کا جمگھٹا لگ جاتا تھااور فجر تک طبلے کی تھاپ اور پائل کی جھنکار سنائی دیتی رہتی تھی۔رات بھر پھولوں،خوشبوؤں، مٹھائیوں اور پھولوں کے گہنوں کی دکانیں کھلی رہتی تھیں۔دکاندار اپنے گاہکوں سے منھ مانگے دام وصول کرتے تھے اورامیر زادے کھلے دل سے دولت لٹاتے پھرتے تھے۔رات بھر اس چوک میں ہنگامہ رہتا تھا۔خزانہ تلمیحات کے مطابق:"کسی زمانے میں عاشق مزاج لوگوں کے لیے خاص طور پر لکھنو کے چوک کی شام ضرب المثل تھی۔"(۲۱)

(۵) گندھیوں کی دکانیں

عطر فروشوں کی دکانیں،گندھ خوشبو کو کہتے ہیں۔گندھیوں کی دکانوں سے مراد ایسی دکانیں ہیں جہاں ہر قسم کی خوشبوئیں دستیاب ہوں۔ہند ثقافت میں خوشبوئیں خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ہنود اپنے مردوں کو جلانے کے لیے صندل کی خوشبودار لکڑی استعمال کرتے ہیں۔مندروں کو نہ صرف خوشبوؤں سے غسل دیا جاتا ہے بلکہ مختلف قسم کے پھولوں اور خوشبوؤں کے چڑھاوے بھی چڑھائے جاتے ہیں۔

(۶) کنجڑنی

قدیم ہند میں پیشوں کے نام ان کی ثقافتی طبقاتی نظام کا اہم حصہ تھے۔سبزیاں بیچنے والیاں اور سبزی بیچنے والوں کی بیویاں کنجڑنیں کہلاتی ہیں

(۷) تنبولنیں

پان بیچنے والیاں۔فارسی زبان میں تنبول پان کو کہتے ہیں۔تنبولی ہندوستان میں بسنے والی ایک قوم ہے جس کا پیشہ پان بیچنا ہے۔اس قوم کی عورتیں تنبولنیں کہلاتی ہیں۔

پان،ہند تہذیب کی خاص علامت ہے۔پان،ہندوستان میں پیدا ہونے والی ایک بیل ہے جس کے پتے ہندوستان کے لوگ شوق سے کھاتے ہیں۔یہ پتے دوا کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں۔ہندوستان میں پان کا استعمال عوام وخواص میں ہوتا ہے۔مختلف قسم کے خوشبودار مصالحوں سے بھرے پان کے پتوں کو گلوری بھی کہتے ہیں۔اس کی تیاری میں خاص قسم کے اجزا استعمال ہوتے ہیں۔پان کی گلوریاں عموماً گھروں میں عورتیں خود بھی تیار کرتی ہیں،بازاروں اور گلی کوچوں میں پنواڑی،تنبولی اور تنبولنیں پان بیچتے ہیں۔بقول مولوی نورالحسن نیر:"ایک قسم کا پتا جو ہندوستانی عورتیں شوق سے کھاتی ہیں۔"(۲۲)

(۸) بھٹیارنیں

کھانا پکانے کا پیشہ کرنے والے، باورچی گیری کرنے والے، تنور پر روٹیاں پکانے والے، سرائے میں مکانات کرائے پر چڑھانے والے اور مسافروں کی خدمت کرنے والے کو بھٹیارا کہتے ہیں۔ بھٹیارے کی بیوی بھٹیارن کہلاتی ہے۔تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ہند میں زمانہ قدیم سے مسافروں کے قیام کے لیے سرائے قائم تھے جہاں بھٹیارے اور بھٹیارنیں ان کی خدمت کرتے تھے۔ بھٹیارنوں کی لڑائی ضرب المثل ہے: "دو سوتنوں میں وہ غضب کی لڑائی ہوئی کہ بھٹیاریاں مات ہو گئیں"(۲۳)

(۹)ساون

ہندی قمری چوتھا مہینا۔ برسات کا دوسرا مہینا۔اس مہینے کی مناسبت سے جو گیت گائے جاتے ہیں انہیں بھی "ساون" کہا جاتا ہے۔ساون کے مہینے میں لڑکیوں بالیوں کے لیے باغوں میں جھولے ڈالے جاتے ہیں، لڑکیاں جھولا جھولتے ہوئے ساون گاتی ہیں۔آج بھی یہ تہوار ہندوستان کے علاوہ پاکستان میں بھی منایا جاتا ہے۔ساون کے پاکستانی گیتوں میں "جھولا ڈالو، ری سکھی ساون آیا"، "ساون کے دن آئے بالم جھولا کون جھلائے" مشہور ترین گیت ہیں۔اس کے علاوہ ساون میں مختلف قسم کے پکوان بنائے جاتے ہیں۔ساون کا تہوار ہندوستان میں قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔

(۱۰) ستار

طنبورے کی قسم کا ایک ساز جس میں اول اول صرف تین تار ہوا کرتے تھے امیر خسرو نے اس میں بہت کچھ ایجاد کیا۔ تین تاروں کی وجہ سے اسے سہ تار بھی کہا جاتا تھا۔

(۱۱) جلترنگ

ایک طرح کا ساز جو پیالیوں میں پانی بھر کر تیلیوں کی مدد سے بجایا جاتا ہے۔اسے جلترن بھی کہا جاتا ہے۔

(۱۲) طنبورہ

ہندوستان کا قدیمی ساز جو تونبے میں لکڑی لگا کر اور اس میں تین تار باندھ کر بنایا جاتا ہے۔ تونبے کی نسبت سے اس کا نام تنبورا/طنبورہ رکھا گیا۔

(۱۳) ترئی

ایک ترکاری/سبزی ہے جسے گنوار توری بھی کہتے ہیں۔اسے سکھا کر ایک ساز بنایا جاتا ہے جو ترئی کہلاتا ہے۔اہل ہنود، سُرتال کو اپنے مذہب سے منسوب کرتے ہیں اس لیے ہر قسم کے ساز ان کے مذہب کا حصہ ہیں۔قدیم ہندوستان میں پائے جانے والے زیادہ تر ساز ایسی عام چیزوں سے بنے تھے جو غریب سے غریب شخص کی دسترس میں

تھیں۔

(۱۴) سرنائی

اسے بگل، ترم اور نفیری بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کی لمبی نفیری ہوتی ہے جو ہندوؤں کی شادیوں میں بجائی جاتی تھی اور کبھی کبھی جنگ میں بھی بجائی جاتی تھی۔

(۱۵) میکے سے ڈولی

ڈولی ایک قسم کی پالکی کو کہتے ہیں جسے ہند کے معززین اور شرفا کی عورتیں سواری کے طور پر استعمال کرتی تھیں۔ شریف زادیوں کا بازاروں سے گزرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ کہار شہروں میں ڈولی لیے پھرا کرتے تھے۔ ہند میں نو بیاہتا لڑکیاں ہر تہوار اپنے میکے میں مناتی تھیں۔ مختلف تہواروں کے موقع پر بیٹی کے لیے میکے سے باقاعدہ ڈولی بھیجی جاتی تھی۔

> "وہ سب سریکھا کے وسیع ڈرائنگ روم میں فرش پر ٹانگیں پھیلائے بیٹھے تھے جس کا بڑا دروازہ باغ میں کھلتا تھا۔ بہار کا روشن دن تھا۔ سریکھا دہلیز کے پاس بیٹھی مشین پر لہنگے کی آڑھی گوٹ سی رہی تھی۔ طلعت اور فیروز باورچی خانے میں کھانا پکانے میں مصروف تھیں۔۔۔۔ صبح صبح جب چمپا جون کارٹر کے گھر سے سریکھا کے یہاں آنے کے لیے بس میں سوار ہوئی تھی تو بس کا بوڑھا کنڈکٹر اسے دیکھ کر خوش دلی سے مسکرایا تھا اور اس نے اپنی ٹوپی چھوتے ہوئے کہا تھا: "مائی ڈیر، تم بے حد خوبصورت لگ رہی ہو۔ تمہارا بوائے فرینڈ تمھیں دیکھ کر بہت مسرور ہوگا۔ خوب خوشی سے اتوار مناؤ' دنیا بڑی مہربان تھی اور خوشگوار۔ کون کہتا ہے کہ دنیا غم خانہ ہے اور فلانا ہے اور ڈھمکانا ہے۔ دنیا تو بے حد آرام دہ حسین جگہ ہے۔"(24)

ہند انگریزی ثقافتی الفاظ و تراکیب کا بھی ایک تسلسل ناول کے تناظر میں نو آبادیاتی، مابعد نو آبادیاتی اور نیو نو آبادیاتی نظام کا تصور وضع کرتا ہے۔ جس کی چند مثالیں کچھ یوں ہیں

(۱) ڈرائنگ روم

یہ لفظ ہمارے ہاں انگریزوں کے ثقافتی رنگ کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس طرح کا کمرہ قدیم ہندوستان یا ہند اسلامی تہذیب کا حصہ نہیں رہا۔ اس لفظ نے جہاں ہماری قدیم تعمیرات کے زاویوں کو متاثر کیا، وہیں اس کے ساتھ

صوفے، کرسیوں اور میز کا خیال اُبھرا۔یعنی یہ صرف مہمانوں کے بیٹھنے کا احاطہ تصور کیا جانے لگا۔ ہندوستانی ثقافت میں اس سے پہلے چوپال، حجرہ، وغیرہ استعمال ہوتے تھے۔ حجرے کے ساتھ ملحقہ کمرہ جو دور سے آئے خاص مہمانوں کی رہائش کے لیے استعمال ہوتا تھا ڈیڑھی کہلاتا تھا۔ حجرہ ہندوستان کی دیگر اعلی ذاتوں کا ایک قسم کا کمیونٹی سنٹر تھا، جسے بیٹھک بھی کہا جاتا تھا۔ بعد ازاں لفظ بیٹھک مہمانوں کو بٹھانے والے کمرے کے طور پر مستعمل ہوا۔ مذکورہ اقتباس کا منظر ناول میں رقم چوتھے دور میں آتا ہے، جس میں مغرب کی طرف حصولِ تعلیم کی غرض سے جانے والے دوستوں کے ایک گروہ کو دکھایا گیا ہے۔ یہاں مغربی ثقافتی شعور بھرپور انداز میں اجاگر ہوا ہے۔ رہن سہن میں مشرقی اقدار نظر نہیں آتیں۔ کردار فرش پر ٹانگیں دراز کیے بیٹھے ہیں۔۔ مشین پر ہندوستانی کلچر کا لہنگا سیا جا رہا ہے۔ اسی طرح بس کا بوڑھا کنڈیکٹر چمپا کو دیکھ کر ٹوپی چھو کر بات کرتا ہے جو مغربی تہذیب میں تکریم کا ایک خاص انداز ہے۔ پھر چمپا کے حسن کی تعریف کرتا ہے جسے مشرقی ثقافت میں انتہائی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ مگر ناول کی جدید تعبیر اسے مشرق میں بھی اب اس قدر قابلِ اعتراض نہیں سمجھتی۔

(۲) بوائے فرینڈ

لڑکے لڑکی کے مابین خاص مغربی رشتہ ہے۔ مغربی تہذیب میں اس رشتے میں بندھے لڑکا لڑکی بغیر کسی مذہبی بندھن کے اکٹھے رہتے ہیں۔

(۳) خوب خوشی سے اتوار مناؤ

مسلمانوں کے لیے جیسے جمعہ کا دن خاص اہمیت کا حامل ہے بالکل اسی طرح عیسائیوں کے لیے اتوار کا دن مذہبی اعتبار سے اہم ہے۔ لیکن جدید صنعتی دور میں مذہبی مناسبت سے زیادہ اس دن کی اہمیت تعطیل کی حد تک رہ گئی ہے۔ ناول "آگ کا دریا" میں ثقافتی لغت کے بیشمار قیمتی نمونے موجود ہیں۔

ثقافتی حساسیت کا ایک مکمل نظام "آگ کا دریا" میں بڑے غیر محسوس انداز میں قدیم سے جدیدیت تک کا سفر ہندوستانی نوآبادیات اور ہندو پاک نوآبادیاتی نظام کی ترتیب و پیش کش کا تسلسل ہے۔ جس کی لفظیات کی اصل روح کو نیو نوآبادیاتی نظام کی حامل معاشرت اور باسیوں کے لئے جاننا اہم ہے۔ جس طرح جدلیاتی نقطہ ء نظر کے حامل مستقل توازن کے فارمولوں کو ماننے سے انکاری ہیں اسی طرح زیرِ نظر ناول کا متن لفظ کے مستقل ایک معانی اخذ کرنے کی بھی نفی کرتا ہے۔ موجودہ عہد ادب عالیہ کی ذیل میں آنے والے متون کو ماضی کے تناظر کے ساتھ ساتھ حال و مستقبل کے ترتیب وار سلاسل میں تحلیل کرنے کی سکت بھی رکھتا ہے۔ خاص طور پر بیسویں صدی میں لکھے گئے ادبی متون کہ جو اپنی لفظیات میں آئندہ صدی کے فنون و ثقافت کی عالم گیر صداقتوں کا بھی پیش خیمہ ہیں۔

حوالہ جات

۱۔گاندھی،مہاتما،مذہب اوردھرم،فکشن ہاؤس،۱۸۔مزنگ روڈ،لاہور۔ ص۳۵

۲۔قرۃالعین حیدر،آگ کادریا،سنگ میل پبلیکیشنز ،لاہور ،۲۰۱۸ء،ص۸

۳۔ایضاً،ص۸۴

۴۔ایڈورڈڈبلیوسعید،شرق شناسی،مترجم؛محمد عباس،مقتدرہ قومی زبان،پاکستان،۲۰۱۲ء،ص۔۵۲)

۵۔رومیلاتھاپر، سومناتھ ،(مترجم)،پروفیسر ریاض صدیقی،فکشن ہاؤس،لاہور،۲۰۰۵ء، ص۱۶۵

۶۔قرۃالعین حیدر،آگ کادریا،سنگ میل پبلیکیشنز ،لاہور ،۲۰۱۸ء،ص۱۳۱

۷۔ایضاً،ص۱۴۷ ۔۱۴۸

۸۔ایضاً،ص۲۷۷،۲۷۶

۹۔ہیری سپیرو، ثقافت کامسئلہ، (مترجم)،سید قاسم محمود، فکشن ہاؤس،لاہور،۲۰۱۷ء،ص۴۱

۱۰۔قرۃ العین حیدر،آگ کا دریا،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور ۲۰۱۸ء، ص۸۹

۱۱۔ایضاً،ص۱۰۱

۱۲۔ایضاًص ۱۰۷

۱۳۔ایضاًص ۲۸۱

۱۴۔ایضاًص۳۱

۱۵۔ظفر الرحمٰن ،صاحب ،دہلوی،مولوی،فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں، جلد چہارم ،انجمن ترقی اردو پاکستان،کراچی،اشاعت دوم،۱۹۷۸ء،ص۱۴۳

۱۶ ۔قرۃ العین حیدر،آگ کا دریا، سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور ۲۰۱۸ء،ص۱۰۲

۱۷۔ نور الحسن ،نیئر (مرحوم)مولوی ،نوراللغات ،جلد اول ،طبع سوم ،۱۹۸۹ء ص۵۸۶

۱۸۔قرۃ العین حیدر،آگ کا دریا، سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور، ۲۰۱۸ء، ص۱۴۴

۱۹۔احمد دہلوی ،سید،مولوی،فرہنگ آصفیہ ، جلد سوم،اردو سائنس بورڈ،لاہور،بار ششم، ۲۰۱۰ء،ص۲۹۳

۲۰۔ایضاً،ص۶۲

۲۱۔محمود نیازی ایم ۔اے ،خزانہ تلمیحات،ملک بک ڈپو، اردو بازار، لاہور، ص۲۲۴

۲۲۔نور الحسن ،نیئر ،(مرحوم)،مولوی ،نوراللغات ،جلد اول ،طبع سوم ،۱۹۸۹ء ص۳۱۱

۲۳۔ایضاً ص ۲۰۷

۲۴۔قرۃ العین حیدر،آگ کا دریا، سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور ۲۰۱۸ء، ص۳۷۰